ترکی! جو کبھی خلافتِ عثمانیہ کا مرکز تھا

مولانا انیس رشید

"عالم ناتمام" کے تحت اسلامی ممالک میں سے کسی ایک ملک کا تعارف پیش کیا جائے گا جس میں اس کے ماضی، حال اور مستقبل پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اس بار "ترکی" کا تعارف ہدیۂ ناظرین ہے (ادارہ)

مسلمانوں کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ میں ترکی کو جو منفرد مقام اور حیثیت حاصل ہے اس سے کوئی بھی پڑھا لکھا شخص ناواقف نہیں، صدیوں تک یہ عالم اسلام کا مرکز رہا، یہاں کے باشندوں نے اسلام کی خدمت کے حوالے سے جو لازوال قربانیاں پیش کیں اور اپنی شجاعت و بسالت کے جو جوہر دکھائے یہ تاریخ اسلام کے کسی طالب علم سے مخفی نہیں، عالم اسلام کے اسلامی تشخص کے حوالے سے ترکی کا نام آتے ہی مسلمان عقیدت اور محبت کے ایسے جذبات سے سرشار ہو جاتے ہیں جنہیں بیان کرنا چاہیں تو زبان ساتھ دینے سے قاصر ہو جاتی ہے اور اگر انہیں سپرد قلم کرنا چاہیں تو قلم اپنی کوتاہ دامنی کی وجہ سے رک رک جاتا ہے، آخر کے گئے گزرے دور میں بھی ترکی کی خلافت عثمانیہ نے کسی حد تک عالم اسلام کو مجتمع رکھا اگرچہ اس وقت اس کی حیثیت اور درجہ مرد بیمار جیسا ہو چکا تھا، ترکی خلافت کے خاتمے کے بعد سے مسلمان مرکزیت سے دور ہوتے چلے گئے اور جس سیاسی انحطاط کا دور مسلمانوں پر آیا اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، آج بھی مسلمان مرکزیت سے محروم ہیں اور عہد حاضر میں یہی مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

ترک ایک طویل اور مستطیل سا جزیرہ نما ہے جسے ہم حقیقتاً ایشیا کا آگے بڑھا ہوا ایک مغربی گوشہ کہہ سکتے ہیں، ترکی کے شمال میں بحیرۂ اسود، مغرب میں بحیرۂ ایجہ اور جنوب میں بحیرہ روم واقع ہے، جب کہ مشرقی سرحد آرمیپا اور ایران سے ملتی ہے، جنوبی سمت میں جزیرہ نما کا ایک حصہ آگے نکل گیا ہے جو ایک مسطح اور بے شجر میدان میں عراق سے جا ملا ہے، دو مشہور دریا دجلہ اور فرات بھی ترکی سے نکلے ہیں جو شام سے ہوتے ہوئے عراق کو سیراب کرتے ہیں اور آخر میں میں شط العرب کی شکل میں خلیج فارس میں جا گرتے ہیں، ترکی کا سب سے بڑا اور سابق حکومتی مرکز استنبول دنیا کا وہ واحد شہر ہے جو دو براعظموں میں منقسم ہے، اس شہر کا آدھا حصہ یورپ میں ہے جب کہ بقیہ حصہ ایشیا میں، یہاں پہاڑوں کا ایک بے ترتیب انبار ہے، ایک طرف قفقاز کا کوہستانی سلسلہ ہے دوسری طرف زغروس، تھوڑے فاصلے پر مشرقی طارس کی دیوار موجود ہے، یہاں کے پہاڑ کم و بیش سمندروں کے متوازی ہیں جو تھوڑے فاصلے تک ملک کے اندر چلے گئے ہیں اور کہیں کہیں وہ سمندر سے چند سو فٹ کے فاصلے کے اندر یکایک ختم ہو جاتے ہیں، یہاں سردیوں میں سخت سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی ہوتی ہے، البتہ ساحلی علاقوں میں آب و ہوا معتدل ہوتی ہے۔

استنبول اب ترکی کا مرکز حکومت نہیں ہے، جدید ترکی کا حکومتی مرکز انقرہ بن چکا ہے اور غیر ملکی سفار تخانے بھی انقرہ میں ہیں۔

یوں تو ترکی کو مکمل طور پر سلطان محمد فاتح نے سنہ 1453ء میں فتح کیا اور اسے اسلامی حکومت میں شامل کر کے قیصر روم کا خاتمہ کر دیا، لیکن ترکی کے اصل فاتح صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاریؓ ہیں اور آپ ہی کے ذریعے اس سرزمین پر پہلی بار اسلام کا کلمہ پہنچا اور آپ ہی کے وسیلے سے اس خاک کو ایک صحابی رسول کے مدفن بننے کی سعادت حاصل ہوئی، یہ مقدس صحابی جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمتہ للعالمین ﷺ کی میزبانی کا شرف بخشا تھا اپنے وطن سے ہزاروں میل دور اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام لیے ہوئے اس دیار غیر میں راہیٔ آخرت ہوئے اور زندگی کے آخری لمحوں میں بھی خواہش تھی کہ

اسلام کے اس کلمے کو لیے ہوئے دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک جاسکوں چلا جاؤں، حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں جو پہلا لشکر قسطنطنیہ پر حملے کے لیے روانہ کیا، اس میں آپ بھی شامل تھے۔ یہاں طویل محاصرے کے دوران آپ بیمار ہو گئے جب ان سے اس بیماری کے دوران پوچھا گیا کہ آپ کی کیا خدمت کی جائے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ''بس میری آپ سے ایک تمنا اور درخواست ہے اور وہ یہ کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میری لاش کو گھوڑے پر رکھ کر دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک لے جانا ممکن ہو لے جانا اور وہاں لے جا کر دفن کر دینا''، چنانچہ ان کی اس وصیت پر عمل کیا گیا اور انہیں دور دراز علاقے میں لے جا کر دفن کیا گیا۔ ایک حدیث میں جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لتفتحن القسطنطنية فلنعم الامير اميرها ولنعم الجيش ذلك الجيش (صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث نمبر 2799)

یعنی تم ضرور قسطنطنیہ فتح کر لو گے، پس بہتر امیر اس کا امیر ہوگا۔ اور بہتر لشکر وہ لشکر ہوگا۔

اس حدیث میں بیان کردہ سعادت حاصل کرنے کے لیے بہت سے مسلمان حکمرانوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز، ہشام بن عبدالملک، مہدی عباسی اور ہارون الرشید وغیرہ شامل ہیں بالآخر سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں یہ شہر فتح ہوا، اس تاریخی فتح کا واقعہ بھی کتب تاریخ میں مذکور ہے جو کافی دلچسپ اور ایمانی حرارت سے لبریز ہے، بتایا جاتا ہے کہ جب سلطان محمد فاتح کی فوجیں قسطنطنیہ میں داخل ہونے لگیں اور فوجی اعتبار سے عیسائیوں کو شکست ہوگئی تو شہر کے مذہبی رہنماؤں اور کٹر قسم کے عیسائیوں نے آیا صوفیا کے کلیسا میں اسی خیال سے پناہ لی کہ کم از کم اس عمارت پر دشمن قبضہ نہیں جما سکتا ایک مشہور انگریز مؤرخ نے اس صورت حال کی تصویر یوں کھینچی ہے:

''گرجا کی تمام زمینی اور بالائی گیلریاں باپوں، شوہروں، عورتوں بچوں، پادریوں، راہبوں اور کنواری ننوں کی بھیڑ سے بھر گئی تھیں، کلیسا کے دروازوں کے اندر اتنا ہجوم تھا کہ ان میں داخلہ ممکن نہ تھا، یہ سب لوگ اس ''مقدس گنبد'' کے سائے میں تحفظ تلاش کر رہے تھے جسے وہ زمانہ دراز سے ایک ملاءِ اعلیٰ کی لاہوتی عمارت سمجھتے آئے تھے، ان کے اسی اعتقاد کی بنیاد ایک جوشیلے یا افترا پرداز عیسائی کے ایک الہام پر تھی جس نے یہ بشارت دی تھی کہ ایک دن ترک قوم کے لوگ قسطنطنیہ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ رومیوں کا تعاقب کرتے کرتے سینٹ صوفیا کے نام گرجے کے سامنے اس ستون تک پہنچ جائیں گے جو شاہ قسطنطین سے منسوب ہے، لیکن بس یہی ان کے مصائب کا نقطۂ آغاز ہوگا، کیوں کہ اس موقع پر آسمان سے ایک فرشتہ ہاتھ میں تلوار لیے نازل ہوگا اور اس آسمانی ہتھیار کے ذریعے سلطنت ایک ایسے غریب آدمی کے حوالے کر دے گا جو اس وقت اسی ستون کے پاس بیٹھا ہوگا، فرشتہ اس شخص سے کہے گا ''یہ تلوار پکڑو اور اس سے اللہ والوں کا انتقام لو'' بس اس حیات آفرین جملے کو سنتے ہی ترک فوراً بھاگ کھڑے ہوں گے اور رومی فتح یاب ہو کر ترکوں کو مغرب اور اناطولیہ سے ایران کی سرحدوں تک بھگا دیں گے''

لیکن ترک اس ستون سے بھی آگے بڑھ گئے اور سینٹ صوفیا کے دروازے تک پہنچ گئے، نہ کوئی آسمان سے فرشتہ نازل ہوا اور نہ رومیوں کی شکست فتح میں تبدیل ہوئی، کلیسا میں جمع عیسائیوں کا ہجوم آخر وقت تک کسی غیبی امداد کا منتظر رہا یہاں تک کہ اس کلیسا کے بارے میں یہ طلسماتی یا اعتقادی توہمات سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے خاک میں مل گئے۔

اس فتح کے بعد عثمانی خلافت کے سربراہوں نے کم و بیش پانچ سو سال تک ترکی کی حفاظت کی، جب حکمرانوں میں عیش و عشرت کی عادت شروع ہو جاتی ہے تو حکومتوں کا زوال بھی شروع ہو جاتا ہے۔ عثمانی خلافت کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ اس کے حکمران آہستہ آہستہ جفاکشی کھو بیٹھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے اندر پہلے حکمرانوں والی سرگرمی اور جوش باقی نہیں رہا، بالآخر وہ دن بھی آیا جب عثمانی خلافت کی قبا چاک کر دی گئی، خلافت کی قبا چاک کرنے والا شخص مصطفیٰ کمال ہے جس کا اصل نام مصطفیٰ تھا، وہ ایک فوجی اسکول میں زیر تعلیم تھا، جہاں ''کمال'' نام کا ایک استاد تھا اور اس سے مصطفیٰ کو کافی وابستگی تھی اس لیے آگے چل کر اس نے اپنے نام کے ساتھ ''کمال'' بھی لگا لیا اس طرح مصطفیٰ سے مصطفیٰ کمال بن گیا، مصطفیٰ کمال تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد فوج میں شامل ہو گیا، اس نے فوج سے اپنی وابستگی برقرار رکھتے ہوئے حکومت کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور اپنے دل میں مچلنے والی آزاد خیالی کو

اس نے فوج کے اندر فروغ دینا شروع کر دیا، ان حالات کے ساتھ اس نے حکومت کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں میں بھی دلچسپی لینی شروع کر دی بالآخر اس نے خلافت کے متوازی الگ فوج ترتیب دینا شروع کر دیا اور آخر میں ایسا وقت بھی آیا جب اس نے خلافت کی فوجوں کے خلاف اپنی فوج کو لڑایا، اس طرح ایک تسلسل کے ساتھ مصطفیٰ کمال نے خلافت کو ختم کرنے کی ایک منظم کوشش کی جس میں وہ کامیاب ہو گیا اور بالآخر سنہ 1923ء میں ترکی سے عثمانی خلافت کا خاتمہ ہوا جو عالم اسلام کے لیے بہت بڑا المیہ ہے، مصطفیٰ کمال نے حکومتی مرکز استنبول کی بجائے انقرہ کو بنالیا، اس نے ترکی کو ایک سیکولر ملک بنادیا جہاں کے تمام قوانین اسلام کی مخالفت کی بنیاد پر بنائے گئے، سب سے پہلے اس نے خلیفہ کا منصب ختم کر دیا، اس کی جگہ وہ خود ترکی کا پہلا صدر بنا اور جمہوریت کا جھانسہ دے کر ترکی میں سخت ڈکٹیٹر شپ نافذ کی، ایک موقع پر مصطفیٰ کمال نے کہا "ہمیں خلیفہ کی ضرورت کیوں ہے؟ ہماری حکومت جمہوری ہے جس میں ہر شخص کو اپنا مذہب محفوظ رکھنے کا حق حاصل ہے، وہ جس طرح چاہے عمل کرے، کیا ہمیں دوسرے لوگ آکر بتاتے ہیں کہ کھانا کیوں کر کھانا چاہیے؟ عبادت کیوں کر کرنی چاہیے؟ کیسا لباس پہننا چاہیے؟ سر پر کیا چیز رکھنی چاہیے؟ کتنی رقم خیرات میں دے دینی چاہیے، وصیتیں کیوں کر لکھی جائیں۔ عید کے دنوں میں کتنی قربانیاں کی جائیں؟ اپنی بیویوں سے کیوں کر برتاؤ کیا جائے ہمیں ایسی کوئی ضرورت نہیں، خلیفہ کو ہم نے ایسے ہی کاموں کے لیے بحال رکھا ہے اور خلیفہ خدا نہیں انسان ہے۔" اس کے بعد اس نے خلافت کا منصب ختم کر دیا، جس پر ساری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اس موقع پر اقبال مرحوم نے کہا

چاک کردی ترک نادان نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مصطفیٰ کمال نے جمہوریت کے نام پر ترکی کا اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہاں سے شعائر اسلام کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا، اسلامی ناموں پر پابندی لگادی، اذان اور خطبۂ جمعہ کو عربی میں ادا کرنے سے روک دیا، عربی رسم الخط پر پابندی لگا کر ترک قوم کو اسلامی مآخذ اور مراجع سے دور اور اسلامی علوم سے محروم کر دیا، اسلامی لباس پر پابندی لگا کر مغربی لباس کو اپنانے پر ترک قوم کو مجبور کر دیا، اتاترک کا فیصلہ تھا کہ ٹوپی قدیم اسلامی رواجوں اور گرفت کا نشان ہے اور وہ ترکوں کو ایسے نشانوں سے الگ کرنا چاہتا ہے، اس نے خود بھی ہیٹ پہننا شروع کر دیا، ایک دفعہ اتاترک نے ایک ایسے علاقے کا رخ کیا جہاں اسلامی روایات اور اقدار سے محبت کرنے والوں کی کثرت تھی، اتاترک نے وہاں جاکر لوگوں سے کہا "دیکھو میں تمہارے لیے عمدہ تحفہ لے کر آیا ہوں، یہ ہیٹ ہے اور ترکی کے مقابلے میں دھوپ اور بارش سے بچاؤ کا بدرجہا بہتر ذریعہ ہے" اتاترک کے خیال میں حجاب سیاہ رنگ کا ایک بے وضع لباس ہے جسے مسلمان عورتیں صدیوں سے استعمال کرتی آرہی ہیں اور یہ عورتوں کو مردوں سے کمتر اور ان کے تابع کرنے کا ایک حربہ ہے لہٰذا ترک خواتین کو اس کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے تاکہ عورتیں بھی مردوں کے شانہ بشانہ کردار ادا کر سکیں، اتاترک نے عربی زبان کو ترکی سے مٹانے کے لیے بہت سختی سے کام لیا، اس نے ترکی کے تمام اخبارات اور رسم الخط کو لاطینی زبان میں بدلنے کے لیے نہ صرف ترکی کے ایک ایک شہر کا دورہ کیا بلکہ دیہاتوں میں بھی جاکر لوگوں کو بذات خود لاطینی زبان سکھائی، اس کا کہنا تھا کہ ہماری اپنی زبان ہے ہم عربی کو کیوں اپنائیں!

اتاترک نے جمہوریت کے نام پر جس ترکی کو سیکولر بنادیا تھا آج ایک مرتبہ پھر وہاں اسلام نشو و نما پا رہا ہے، وہاں کے عوام میں اسلام اور اس کے شعائر سے محبت میں اضافہ ہو رہا ہے، اگر آج اتاترک اپنی قبر سے اٹھ کر ترکی کی حالیہ تبدیلی کو دیکھ لے تو یقیناً اس کا دل گواہی دے گا کہ دلوں کی کیفیت کو بدلنے کے لیے سختی اور ڈکٹیٹر شپ سے کام نہیں لیا جاسکتا، یہ سختی عارضی ثابت ہوتی ہے، جس دل میں اسلام کی محبت اور شعائر اسلام کو اپنانے کی تمنا ہو اسے انسانی جبر زیر نہیں کر سکتا۔ آج ترکی میں اسلام پھل پھول رہا ہے ان شاء اللہ عنقریب کمال اتاترک کا نظام جلد وہاں سے ختم ہو کر رہے گا۔